Hazara Islamicus, Vol.:09, Issue: 01,Jan-June 2020
PP: 145-162

OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Online): 2410-8065
ISSN (Print): 2305-3283
www.hazaraislamicus.com

مشکلات السیرۃ
Muškilāt-us-Sīraẗ

Dr. Syed Aziz ur Rahman
Assistant Professor, Dawah Academy, Karachi

Abstract

The aspects that require special interest in the field of Sīraẗ, include the principles of Sīraẗ and Muškilāt-us-Sīraẗ. In fact, these are at the top of the list.

What is Muškilāt-us-Sīraẗ? What are its needs and requirements? What are the limitations of this field? And what are the rules to follow for regulating it? In this regard, this article is a beginner's attempt, which has been made to clarify the initial characteristics of this noble field.

There is a lot of work in Islamic sciences, which deals with Muškilāt ul Qur'ān and Muškilāt ul Hadith. However, the issue of Muškilāt is not limited to these two sciences, there are issues of this nature in more or less every science which we can consider as Muškilāt. We find some work done in a few sciences, but not in all. That's why no field of knowledge could be introduced with this title.

The same is true for Muškilāt-us-Sīraẗ. Otherwise, there are discussions in various books, which can be called Muškilāt-us-Sīraẗ, and scholars continue to pay attention to them.

One thing to keep in mind about Muškilāt-us-Sīraẗ is that quality and quantity may affect this kind of science. And because of this, the status difficulty keeps changing. In particular, it depends on the reader's mental level and attachment to this field. In this sense, the word "Muškil" also has room for disagreement and diversity of thought. Because the Muškilāt of any science cannot be confined to any one type. In this article, some points are presented to cover these aspects.

Keywords: *Muškil, Sīraẗ, Muškilāt-us-Sīraẗ, Muškilāt ul Qur'ān*

سیرتِ طیبہ فنی طور پر مرتب، مدون اور دوسرے فنون سے مختلف فن ہے، جو اپنی حدود و قیود اور تعریف کے لحاظ سے، اپنے اطلاقات اور مشمولات کے اعتبار سے اور اپنے متعلقات کے ذریعے دوسروں سے مکمل طور پر منفرد اور ممتاز ہے۔ اس کا ایک سبب علمائے سیرت کی وہ کاوشیں ہیں جو وہ عرصہ چودہ سو برس سے مسلسل کرتے چلے آرہے ہیں۔ دیکھا جائے تو سیرتِ طیبہ پر جو کچھ لکھا گیا، جس جس جہت سے لکھا گیا، اس باب میں جو جو تنوع پیش کیا گیا، حیاتِ مبارکہ کے ہر ہر ممکنہ پہلو کو جس جس طرح محفوظ کیا گیا، یہ بہ جائے خود اعجاز سیرت ہے اور اعجازِ صاحبِ سیرت ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس کے باوجود یہ بھی اعجازِ سیرت ہے کہ نئے نئے حوالوں سے کام کی گنجائش اور ضرورت تواتر کے ساتھ سامنے آتی رہتی ہے، اور یہ پیغام دیتی رہتی ہے کہ یہ موضوع اور اس کی حدود غیر مختتم ہیں، اس حوالے سے کاوشوں کا سلسلہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔ اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ فن سیرت نگاری میں جن پہلوؤں سے خصوصی دل چسپی کی ضروت محسوس ہوتی ہے، ان میں اصولِ سیرت نگاری اور مشکلات السیرۃ شامل ہیں، بل کہ سر فہرست ہیں۔ فن مشکلات السیرۃ کیا ہے؟ اس کی ضرورت اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اس فن کی حدود کیا ہو سکتی ہیں؟ اور اس کو منضبط کرنے کے لیے کیا کیا اصول پیش نظر رہنے چاہییں۔ اس حوالے سے یہ تحریر ایک مبتدیانہ کاوش کا درجہ رکھتی ہے، جس میں اس فن شریف کے ابتدائی خد وخال واضح کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

مشکلات السیرۃ پر بات کرنے سے قبل ہمارے لیے ضروری ہے کہ مشکلات الحدیث پر ایک سرسری نظر ڈال لیں، کیوں کہ منبع اور مصدر کے اعتبار سے فن سیرت بھی ابتدائی طور پر فن حدیث کی ہی ایک شاخ ہے، جس نے اہل سیر کی کاوشوں کے نتیجے میں ابتدا ہی میں اپنی الگ شناخت اور پہچان اختیار کر لی تھی۔

حدیث میں اس حوالے سے دو اہم عنوانات اختیار کیے جاتے ہیں، ایک ہے مختلف الحدیث اور دوسرا ہے مشکل الحدیث۔ علم حدیث میں ان دونوں عنوانات کے تحت کتب بھی موجود ہیں۔

چنانچہ مختلف الحدیث کے مفہوم کی وضاحت کے لیے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعریف کی ہے:

الحديث الذي عارضه ظاهرا مثله. (۱)

ایسی حدیث جس کے معارض دوسری اس جیسی حدیث موجود ہو۔

اور علامہ سیوطی نے یہ تعریف بیان کی ہے:

أن ياتي حديثان متضادان في المعنى ظاهرا. (۲)

ایسی دو احادیث کا پایا جانا، جن کے معنی میں ظاہراً تضاد ہو۔

جب کہ مشکل الحدیث کی تعریف میں اصولیین اور محدثین میں بھی اختلاف ہے، اصولیین یہ تعریف کرتے ہیں:

هو اللفظ أو الكلام الذي خفي المراد به على السامع وكان خفاؤه لأجل الصيغة ولا يدرك إلا بالعقل.(۳)

ایسا لفظ یا کلام جس کی مراد سامع پر واضح نہ ہو سکے، اور اس کا سبب الفاظ ہوں، جسے صرف عقل کے ذریعے ہی جانا جا سکے۔

اور محدثین اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

المشكل هو الذي يحتاج في فهم المراد به إلى تفكر وتأمل. [۴]

مشکل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی مراد غور و فکر کے بغیر سمجھ ہی نہ آسکے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ بات جو کسی الجھن کا باعث بنے وہ فنی طور پر ''مشکل'' کہلائے گی۔ وہ کوئی لفظ بھی ہو سکتا ہے، کوئی جملہ یا عبارت بھی ہو سکتی ہے، اور کوئی واقعہ بھی۔ ان مشکلات یا الجھنوں کا تعلق جب سیرتِ طیبہ سے ہوگا تو انہیں مشکلات السیرۃ کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ اس تفصیل کی روشنی میں مشکلات السیرۃ کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

وہ تمام الجھنیں، جو کسی لفظ جملے یا عبارت، یا کسی واقعے سے پیدا ہوں، یا جن واقعاتِ سیرت کی تفہیم میں روایتاً یا درایتاً دقتیں پیش آئیں، انہیں مشکلات السیرۃ کہتے ہیں۔

علوم اسلامی میں خاص طور پر مشکلات القرآن اور مشکلات الحدیث پر خاصا کام موجود ہے، مگر یہ معاملہ محض ان دو علوم وفنون تک محدود نہیں، کم و بیش ہر فن میں اس نوعیت کے مسائل موجود ہیں، جو مشکل کے ذیل میں آسکتے ہیں، بعض جگہوں پر، کچھ علوم وفنون میں انہیں الگ سے مدون کر دیا گیا ہے، بہت سی جگہوں پر ایسا نہیں ہے، اس لیے اس عنوان سے کوئی گوشۂ علم یا نوع متعارف نہ ہو سکی۔ فنِ سیرت کے حوالے سے مشکلات السیرۃ کی بھی یہی کیفیت ہے، ورنہ مختلف کتب کے ضمن میں ایسی بحثیں موجود ہیں، جنہیں مشکل السیرۃ کہا جاسکتا ہے، اور اہلِ علم ان سے اعتنا بھی کرتے رہتے ہیں۔

مشکل السیرۃ کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس نوعیت کی مشکلات فن میں کیفیت اور کمیت کو بھی دخل ہوتا ہے، اور اس کے اعتبار سے بھی مشکل کی حیثیت تبدیل ہوتی رہتی ہے، جس میں خاص طور پر قاری کی ذہنی سطح اور اس فن سے وابستگی کا دخل بھی ہوتا ہے، اسی اعتبار سے لفظ مشکل میں بھی اختلاف اور تنوع فکر کی گنجائش ہے، کیوں کہ کسی بھی علم و فن کی مشکلات کو کسی ایک نوع یا قسم میں منحصر نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ہر فرد کے اعتبار سے الجھن اور مشکل کی سطح مختلف ہوتی ہے، مثلاً کسی بھی ماہر لغت کے لیے کسی نوع کی لغوی الجھن کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہی حال دوسرے شعبوں کا ہے، یعنی اگر کہیں فنِ سیرت میں کوئی روایت محض اپنے اختصار کی وجہ سے ابہام رکھتی ہے، اور وہ ابہام کسی الجھن کا باعث ہے تو وہ کسی بھی ایسے فرد کے لیے الجھن کا باعث نہیں ہو سکتا، جو اس نوع کی دوسری روایاتِ سیرت سے واقفیت رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی کے سامنے اگر کسی واقعے کا پسِ منظر موجود ہے، یا اس کا درست محل واضح ہے، تب بھی اس کے لیے واقعے کو درست تناظر میں دیکھنا ممکن ہے، جو کسی ایسے فرد کے لیے ممکن نہیں جو اس تفصیل سے آگاہ نہیں ہے، اس کے لیے وہ واقعہ الجھن کا باعث قرار پائے گا۔

بعض جگہوں پر کسی واقعے کی نقل میں عدمِ احتیاط کے سبب واقعہ ہی متعدد بار فرض کر لیا جاتا ہے، جب کہ اصل قصہ ایک ہی بار پیش آیا ہوتا ہے، یہ بھی الجھن کا باعث ہوتا ہے اور اس کا ازالہ بھی اصل حقیقت سے واقفیت کی صورت میں ممکن ہے، ان تمام امور کو پیش نظر رکھا جائے تو مشکلات السیرۃ کی اہمیت اور اس کی حقیقت سے کسی قدر آگہی ممکن ہے۔

ہم اس ضمن میں کوشش کریں گے کہ مشکلات السیرۃ کے درست محل اور تعریف کو متعین کرنے کے بعد اس ضمن میں ایسے اصول بھی طے کر سکیں جو رفعِ مشکل میں مفید ہو سکیں، اور بیانِ سیرت میں ان اصولوں سے استفادہ کر کے مشکلات اور الجھنیں کم کی جاسکیں۔

مشکلات کی صورتیں اور ان کا حل

فنِ سیرت میں پیش آنے والی مشکلات عام طور پر بیان سے تعلق رکھتی ہیں، مگر ان میں بہت سے پہلو مل جاتے ہیں۔ ہم ذیل میں اس حوالے سے چند نکات عرض کرنے کی کوشش کریں گے۔

۱۔ حدیث میں یہ اصول طے شدہ ہے، اگرچہ اس کے اطلاق پر بحث ہو سکتی ہے، اور ہوتی رہتی ہے کہ کوئی روایت مقامِ نبوت کے منافی ہو تو قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ بات اصلاً تو اصولِ سیرت کا حصہ ہے، مگر اسے مشکلات السیرہ میں بھی شامل کیا جانا چاہیے کہ اس اصول کے پیشِ نظر نہ رکھنے کے سبب بھی بہت سے مغالطے پیدا ہو سکتے ہیں۔ چناں چہ کئی ایک روایات کا انکار محض اسی بنیاد پر کیا گیا ہے، جس کی مثالیں سیرت لٹریچر میں کثرت سے دست یاب ہیں، مگر اس کے لیے کسی واضح دلیل کا ہونا ضروری ہے، محض ذوق پر کسی تسلیم شدہ مستند یا ثابت شدہ روایت کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ بسا اوقات ایک روایت کسی خاص پسِ منظر سے تعلق رکھتی ہے، پس منظر سے عدم واقفیت واقعے کی تفہیم میں مشکل کو جنم دیتی ہے۔ اس واقعے کی درست حقیقت سے واقفیت کے لیے اس پسِ منظر کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔ روایت کا پس منظر جاننے کے بعد اس مشکل کو حل کرنا بہت سہل ہو جاتا ہے، اگر متعلقہ واقعے کی تمام اہم روایات ممکنہ دست یاب مصادر سے یک جا کر کے پیشِ نظر رکھ لی جائیں، تو اصل صورتِ حال واضح ہو سکتی ہے اور اشکال رفع ہو سکتا ہے۔

۳۔ جمعِ طریق/طرق؟ کئی ایک مقامات پر پیدا ہونے والی الجھن اور مشکل محض روایات کو جمع کر لینے سے رفع ہو جاتی ہے، ایسی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں، اور اس مضمون میں بھی ہم چند مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

۴۔ روایات کی درجہ بندی۔ روایات کے تعدد کی صورت میں، جب کہ وہ روایات باہم متعارض ہوں اور ان کے مابین جمع کی صورت بھی ممکن نہ ہو تو ترجیح کے ضابطے سے فیصلہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اس کے لیے روایات کی درجہ بندی، مصادر کی حیثیت اور راوی کا مقام بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

۵۔ درایت۔ کئی ایک مواقع پر روایتی اعتبار سے واقعہ درست ہونے کے باوجود درایتاً اور خالص عقلی اعتبار سے درست معلوم نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں درایت کو ہی ترجیح ہو گی اور اس ضابطے کے تحت روایت کے بارے میں فیصلہ کرنا ممکن ہو گا۔

۶۔ کسی بھی روایت کا قرآن کے کسی بیان کے برعکس، برخلاف یا بہ ظاہر متعارض ہونا بھی ترکِ روایت کا سبب ہو گا، ایسی صورت میں روایت کو ترک کر کے اس مشکل کو حل کیا جائے گا۔

۷۔ بعض جگہ روایات کے جمع سے بھی مشکلات پیش آتی ہیں، اور ایک واقعہ متعدد بار تصور کر لیا جاتا ہے، جب کہ حقیقت میں وہ ایک ہی واقعہ ہوتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ واقعے کی حقیقت کو درایتاً پرکھتے ہوئے اس کا مقام متعین کیا جائے، اور جمعِ روایت کے نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے۔

مشکلات السیرہ۔ چند مباحث

ذیل میں ہم اس تفصیل کی روشنی میں چند مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی عہد سے پیش کرتے ہیں، جن کی روشنی میں ہمارے لیے ان اصول اور ضوابط کی درست تفہیم بھی ممکن ہو گی اور اس فن کے مباحث کا دائرہ، ضابطہ اور اس کے تقاضے بھی زیادہ واضح ہو سکیں گے۔ واللہ ہو الموفق

شقِ صدر

معجزات کے باب میں شقِ صدر کا واقعہ اہتمام سے بیان ہوتا ہے، اس حوالے سے کئی روایات موجود ہیں۔ ہم ابتدا میں ان تمام مواقع اور ان سے متعلق اہم روایات کا جائزہ لیتے ہیں، پھر اس ضمن میں پیش آمدہ مشکلات پر بات کریں گے۔

سیرت لٹریچر کا استقصا بتاتا ہے کہ حیات نبوی ﷺ میں شقِ صدر کا واقعہ پانچ بار بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ پہلا واقعہ عہد رضاعت کا ہے، جو اس طرح بیان ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائیوں کے ہم راہ بکریاں چرا رہے تھے کہ اچانک آپ کا ایک رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے بتایا کہ دو سفید پوش آدمی آئے اور ہمارے قریشی بھائی کو زمین پر لٹا کر ان کا شکم مبارک چاک کیا، اب اس کو سی رہے ہیں۔ یہ واقعہ سنتے ہی حلیمہ اور ان کے شوہر دوڑتے ہوئے اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ آپ ﷺ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں اور چہرۂ انور کا رنگ اترا ہوا ہے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے فوراً آپ کو سینے سے چمٹا لیا، پھر آپ سے پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے واقعہ بیان فرما دیا۔ حلیمہ آپ کو لے کر گھر واپس آگئیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر مبارک چار برس تھی۔ یہ واقعہ متعدد روایات میں مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔[۵]

۲۔ روایات کے مطابق شق صدر کا واقعہ دوسری بار اس وقت پیش آیا، جب آپ ﷺ کی عمر مبارک دس سال کی تھی۔[۶] علامہ زرقانی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ روایت مستند ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔[۷]

۳۔ تیسری بار یہ واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا، جیسا کہ مسند ابی داؤد طیالسی[۸] اور دلائل ابی نعیم[۹] میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔[۱۰]

۴۔ یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس بارے میں روایتیں تواتر اور مشہور ہیں۔[۱۱]

۵۔ علامہ شامی بیان کرتے ہیں چار بار شقِ صدر ہوا، لیکن انہوں نے ۲۰ سال کی عمر میں بھی شقِ صدر کا ذکر کیا ہے۔[۱۲]

اس طرح مجموعی طور پر یہ واقعہ کتب سیرت و حدیث میں پانچ بار بیان ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے اس واقعے کو تین بار بیان کیا ہے۔ چناں چہ ابن حجر کا رجحان اسی طرف ہے۔ وہ اپنے مزاج کے مطابق روایات میں تطبیق بھی دیتے ہیں اور تینوں بار شق صدر کی الگ الگ حکمتیں بھی بیان کرتے ہیں۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں کہ شقِ صدر کا واقعہ تین مواقع پر ذکر کیا جاتا ہے، ایک بچپن میں جب آپ ﷺ بنی سعد میں پرورش پا رہے تھے، دوسری بار بعثت کے وقت اور تیسری مرتبہ معراج میں البتہ، بعض حضرات نے معراج کے موقع پر شق صدر کا انکار کیا ہے، مگر اس کی کوئی وجہ نہیں، کیوں کہ اس بارے میں روایات تواتر کے ساتھ ہیں، اور صحیح یہی ہے کہ یہ واقعہ تینوں موقعوں پر پیش آیا، اور ہر موقع پر الگ الگ حکمتیں تھیں، بچپن میں آپ ﷺ کو شیطان کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ رکھنے کے لیے شقِ صدر ہوا، جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک ٹکڑا نکال کر فرشتے نے کہا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا جو نکال دیا گیا، بعثت کے وقت وحی کی عظیم الشان نعمت کے تحمل کے لیے دل کو قوت دینے کی غرض سے شقِ صدر ہوا اور تیسری بار معراج میں آپ ﷺ کے قلبِ اطہر کو ایمان و حکمت بہ تمام و کمال عطا کرنے اور ہر طرح کا فضل مکمل طور پر عطا کرنے کے لیے شقِ صدر ہوا۔[۱۳]

علامہ سید سلیمان ندوی شقِ صدر کے دو بار ہونے کے قائل ہیں۔ وہ معجزات کی بحث میں شق صدر کی تمام روایات پر سنداً، متناً اور کہیں کہیں درایتاً نقد کے بعد فرماتے ہیں کہ اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت (جو بچپن میں شق صدر کو بیان کرتی ہے) کے قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق بچپن میں جب عقل و ہوش کا آغاز ہوا تو سینۂ مبارک سے حصۂ شیطانی جو ہر انسان کے اندر ہے اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے۔ ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی، مگر معراج کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھو کر علم و حکمت سے معمور کیا گیا۔ جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔ [۱۴] خود مولانا کاندھلوی صاحب کا ذوق یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی تمام روایات کو درست نہیں سمجھتے۔ چناں چہ انہوں نے ۱۰ برس کی عمر میں ہونے والے شقِ صدر کا انکار کیا ہے۔ [۱۵] اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں جس قدر بھی روایات ہیں اور جس قدر بھی تعدد واقعہ محسوس ہوتا ہے، وہ سب کا سب کسی بھی سیرت نگار کے ہاں مراد نہیں، نہ یہ تعدد درست ہی ہے، اس لیے کوئی چار بار، کوئی تین بار اور کوئی صرف دو بار کا قائل ہے، لیکن محض درایت کو پیش نظر رکھیں تو دو بار کا تعدد بھی باور کرنا مشکل نظر آتا ہے، اس لیے کہ جو کام ایک بار سے ممکن تھا، اس کے لیے بار بار یہ عمل دہرانا غیر منطقی ہے، اگرچہ کہ سید سلیمان ندوی نے اس کی حکمت بیان کی ہے، اس موقع پر قاضی عیاض کی رائے اور بحث بھی توجہ چاہتی ہے۔ ان کے خیال میں واقعۂ شق صدر ایک ہی بار عہد رضاعت ہی پیش آیا ہے۔ [۱۶]

یہی سبب ہے کہ عہد حاضر کے اہم محقق سیرت ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی قاضی عیاض کی ہی روایت کو ترجیح دیتے ہیں، اور اس بات کے قائل ہیں کہ یہ واقعہ ایک ہی بار پیش آیا ہے۔ [۱۷]

اس بحث سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اغلباً جمع روایات کے ذوق کے سبب یہ تعدد ظہور پزیر ہوا، ورنہ فی الحقیقت یہ واقعہ ایک ہی بار بچپن میں پیش آیا ہے۔ اس ضمن میں اہم ترین مشکل یہ ہے کہ معراج کے موقع پر واقعۂ شرح صدر/ شق صدر کی روایات مسند ترین ہیں۔ جن کی کوئی توجیح سر دست نہیں کی جا سکتی۔ واللہ اعلم

اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ جو اگرچہ بہ راہ راست موضوع سے متعلق نہیں، لیکن زیر بحث واقعے کے حوالے سے اہم ہے، وہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی رائے ہے، وہ شق صدر کی بہ جائے شرح صدر کی ترکیب کو زیادہ مفید، بامعنی اور بہتر قرار دیتے ہیں۔ [۱۸]

قصہ بحیرۂ راہب

مشکلات السیرۃ کے حوالے سے ایک اہم ترین موضوع بحیرۂ راہب کا ہے۔ یہ واقعہ ابن اسحاق کے بہ قول جب پیش آیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً بارہ سال تھی۔ آپ کے چچا ابو طالب نے حسبِ روایت شام کا سفر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے۔ یہ تجارتی قافلہ شام کے شہر بصرہ سے باہر ایک عیسائی راہب کی خانقاہ کے قریب اترا۔ اس کا اصل نام جرجیس تھا اور وہ بحیرا کے نام سے معروف تھا۔ آخری نبی کے حوالے سے جو علامتیں آسمانی کتابوں میں نقل ہوتی چلی آرہی تھیں یہ ان سب سے خوب واقف تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی علامتیں آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ [۱۹]

دوسری جانب ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار ابو طالب قریش کے ساتھ

شام کی طرف گئے۔ شام میں جس جگہ جا کر قیام کیا وہاں ایک راہب رہتا تھا۔ اس سے پہلے بھی یہاں سے گزر ہوتا تھا مگر اس راہب نے کبھی توجہ نہ کی۔ اس دفعہ جب قریش کا قافلہ وہاں جا کر اترا تو یہ راہب خلاف معمول اپنی خانقاہ سے نکل کر قافلے والوں کے پاس آیا اور اہلِ قافلہ میں سے ایک ایک کو غور سے دیکھنے لگا، حتی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا کہ یہی تمام جہانوں کا سردار ہے، یہی اللہ کا رسول ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔

اہلِ قافلہ میں موجود قریش کے سرداروں نے راہب سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ جس وقت تم سب لوگ گھاٹی سے نکلے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا باقی نہ رہا جس نے ان کو سجدہ نہ کیا ہو، درخت و پتھر صرف نبی کو سجدہ کرتے ہیں۔ نیز میں تو انہیں مہرِ نبوت سے بھی پہچانتا ہوں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے کے نیچے سیب کے مشابہ ہے۔ پھر راہب واپس چلا گیا، اس نے تمام قافلے والوں کے لیے کھانا تیار کرایا، کھانے کے لیے سب حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے، راہب کے دریافت کرنے پر اس کو بتایا گیا کہ آپ اونٹ چرانے گئے ہیں۔ پھر آدمی بھیج کر آپ کو بلایا گیا۔ آپ جب تشریف لائے تو ایک ابر آپ پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ لوگ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی درخت کے سائے میں جگہ لے چکے تھے۔ لہٰذا آپ ایک جانب کو بیٹھ گئے۔ آپ کے بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ راہب نے کہا کہ درخت کے سائے کو دیکھو کہ کس طرح آپ کی طرف مائل ہے۔ اور پھر کھڑے ہو کر لوگوں کو قسمیں دینے لگا اور کہا کہ آپ لوگ ان کو روم کی طرف نہ لے جائیں، رومی آپ کی صفات اور علامات دیکھ کر آپ کو پہچان لیں گے اور قتل کر ڈالیں گے۔ اسی دوران راہب نے دیکھا کہ چند رومی باشندے کچھ تلاش کرتے ہوئے اس طرف آ رہے ہیں، راہب نے ان سے پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس نبی کی تلاش میں آئے ہیں جس کے بارے میں توریت اور انجیل میں خبر دی گئی ہے؟ وہ اس مہینے میں سفر کے لیے نکلنے والا ہے۔ جب ہمیں تم لوگوں کا علم ہوا تو ہمیں اس طرف بھیج دیا گیا، راہب بولا: یہ تو بتاؤ کہ کسی بات کا اللہ تعالیٰ نے اگر ارادہ فرمالیا تو کیا کوئی اس کو روکنے کی طاقت رکھتا ہے؟ رومیوں نے جواب دیا نہیں، راہب نے رومیوں سے کہا کہ پھر تم ان کے ہاتھ پر بیعت کرو اور ان کے ساتھ رہو۔

راہب نے پھر قریش کے قافلے کو قسم دے کر دریافت کیا کہ تم میں سے اس کا سرپرست کون ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ابوطالب ہیں۔ راہب نے ان سے کہا کہ آپ ان کو فوراً واپس بھیج دیں۔ چناں چہ ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے واپس بھیج دیا۔ راہب نے زادِ سفر کے طور پر روٹی اور زیتون کا تیل ساتھ دیا۔ [۲۰] حافظ ابن حجرؒ الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، اسے بزارؒ نے بھی اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ [۲۱] یہ واقعہ تقریباً تمام ہی اہم اور کم اہم سیرت نگار بیان کرتے ہیں۔ [۲۲]

یہ واقعہ کئی ایک اہل تحقیق سیرت نگاروں کے ہاں درایتی اعتبار سے محلِ نظر رہا ہے، علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ اس روایت سے جس قدر شغف عام مسلمانوں کو ہے اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سر ولیم میور، ڈریپر، مارگیولوس وغیرہ سب اس واقعے کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے اور جو نکتے اس نے بتا دیے تھے، ان ہی پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائدِ اسلام کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے تمام عمدہ اصول ان ہی نکتوں کے شروح اور حواشی ہیں۔

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت میں مذکور ہے۔ اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں۔ قیاس میں بھی نہیں آسکتا کہ دس بارہ سال کے بچے کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیے جائیں اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیرا کے تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں سب مرسل ہیں یعنی راوی اول واقعے کے وقت خود موجود نہ تھا اور وہ راوی کا نام بیان نہیں کرتا جو شریک واقعہ تھا۔ اس روایت کا سب سے مستند طریقہ وہ ہے جو ترمذی میں مذکور ہے۔ (۲۳)

اس واقعے پر تھوڑا بہت سب ہی لکھتے آرہے ہیں۔ اس میں شک اور مشکل کا سبب یہ ہے کہ یہ واقعہ جہاں سند کے اعتبار سے مضبوط ہے، اور متن کے اعتبار سے سب ہی نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔ وہیں اس پر درایتی بنیاد پر خوب اشکال وارد ہوتے ہیں۔ جن پر سیرت نگار لکھتے چلتے آرہے ہیں، ان تمام اشکالات کو ایک جدید العہد محقق سیرت حافظ سید فضل الرحمٰن نے یک جا کیا ہے۔ اور اس واقعے پر ہر بنیاد سے کلام کرکے اسے کم زور قرار دیا ہے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

۱۔ ترمذی نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ حسن اور غریب ہے اور ہم اس کو اس طریقے کے سوا کسی اور طریقے سے نہیں جانتے۔

۲۔ اس کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے جو ابو نوح قراد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ یونس بن اسحاق سے اور وہ ابو بکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابو موسیٰ اشعری سے اس کی روایت کرتے ہیں۔

۳۔ عبدالرحمٰن بن غزوان کو بہت سے لوگ ثقہ کہتے ہیں لیکن اکثر اہل فن کے نزدیک وہ ناقابل اعتبار ہے۔

۴۔ علامہ ذہبی عبدالرحمٰن کو منکر کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کی روایتوں میں سب سے بڑھ کر منکر وہ روایت ہے۔ جس میں بحیرا کا واقعہ مذکورہ ہے۔

۵۔ اس روایت کے بارے میں حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔

۶۔ علامہ ذہبی کے نزدیک اس حدیث کے بعض واقعات موضوع، جھوٹے اور بنائے ہوئے ہیں۔ اس کی سند اور متن پر بھی انہیں اعتراضات ہیں اور وہ اس کو شدید منکر کہتے ہیں۔

۷۔ اس کے آخری راوی ابو موسیٰ شعری ہیں۔ وہ شریک واقعہ نہ تھے اور اوپر کے راوی کا نام بھی نہیں بتاتے

۸۔ ابن سعد میں اس کی جو سند مذکور ہے وہ مرسل یا معضل ہے یعنی جو روایت مرسل ہے اس میں تابعی شریک واقعہ نہیں اور نہ وہ کسی صحابی کا نام لیتا ہے۔ اور جو روایت معضل ہے اس میں راوی اپنے سے اوپر کے دو راویوں کا نام نہیں لیتا جو تابعی اور صحابی ہیں۔

۹۔ ابو موسیٰ اشعری مسلمان ہو کر ۷ ہجری میں یمن سے مدینے آئے اور بحیرا کا واقعہ اس سے پچاس برس پہلے کا ہے۔ ابو موسیٰ خود اپ کی زبان مبارک سے یا کسی اور شریک واقعہ کی زبان سے سننا بیان نہیں کرتے۔ اس لیے یہ روایت مرسل ہے۔

۱۰۔ اس واقعے کو ابو موسیٰ سے ان کے صاحب زادے ابو بکر روایت کرتے ہیں مگر ان کے بارے میں کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں؟

امام احمد بن حنبل اس سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ بنابریں یہ روایت منقطع ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ ابو بکر ضعیف سمجھتے جاتے ہیں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ یہ سخت لاپرواہیں۔
شعبہ ان پر تدلیس کا الزام لگاتے ہیں۔
امام احمد ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور عام روایتوں کو مضطرب اور ایسی ویسی کہتے ہیں۔
ابو حاتم کے نزدیک وہ راست گو ہیں لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں۔
ابو حاکم کا بیان ہے کہ ان کو اکثر اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا ہے۔
۱۲۔ چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے۔ اس کو ابو نوح قراد بھی کہتے ہیں۔
اگرچہ بہت سے لوگوں نے اس کو ثقہ کہا ہے تاہم وہ متعدد و منکر روایتوں کا راوی ہے۔ ممالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے۔
ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے۔
ابو حیان کہتے ہیں کہ وہ غلطیاں کرتا ہے۔

۱۳۔ اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ بحیرا کے اصرار پر ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکر اور بلال کے ساتھ مکے واپس بھیج دیا۔ حال آں کہ ابو بکر اس وقت آپ سے دو سال چھوٹے یعنی دس سال کے تھے اور بلال ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ایک پر خطر اور تقریباً ایک ماہ طویل سفر میں ایک بارہ سال کے لڑکے کی حفاظت کے لیے اس سے کم عمر کے لڑکوں کو ساتھ بھیجنا بہت ہی عجیب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بارہ سال کی عمر میں ہی خود آپ کو، اہل قافلہ اور قریش کے لوگوں اور روم کے ارباب اقتدار کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آپ نبی ہونے والے ہیں۔ لیکن یہ بات ناقابل قبول ہے اس لیے کہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ (۲۴)

اور آپ کو تو اس کا خیال بھی نہ تھا کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی۔

اور ارشاد ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (۲۵)

اس سے پہلے آپ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔

ان آیتوں میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے آپ کو اس کی بالکل خبر نہ تھی کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ نیز اگر قریش کو ۲۸ سال پہلے ہی یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ آپ نبی ہونے والے ہیں تو آپ کا اعلان نبوت ان کی توقعات کے خلاف نہ ہوتا اور نہ اس پر ان کا شدید رد عمل ہوتا۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ابو طالب نے راہب کی زبانی آپ کی نبوت کی پیش گوئی اور مذکورہ معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کو مکے تو روانہ کر دیا مگر اس واقعے کے ۲۸ سال بعد جب آپ نے رسالت کا اعلان فرمایا تو ابو طالب نے آپ کو رسول تسلیم نہیں کیا۔ اگر راہب نے واقعتاً آپ کی رسالت کی پیش گوئی کی ہوتی تو ابو طالب مکے پہنچ کر قریش کے لوگوں میں ضرور اس کا چرچا کرتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

۱۴۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ قافلے والوں میں سے قریش کے سرداروں کے پوچھنے پر راہب نے ان کو بتایا کہ جس وقت تم لوگ گھاٹی سے نکلے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا باقی نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو اور درخت اور پتھر صرف نبی کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قرآن کریم کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ (۲۶)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی، سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

۱۵۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ایک بادل آپ پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ لوگ آپ کے پہنچنے کے پہلے ہی درخت کے سائے میں جگہ لے چکے تھے۔ لہٰذا آپ ایک جانب بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ جب بادل آپ پر سائے کیے ہوئے تھا تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس وقت درخت کا سایہ آپ کی طرف مائل ہو، کیوں کہ بادل کا سایہ درخت کے سائے کو ختم کر دیتا ہے۔

۱۶۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس واقعے کے بعد بھی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار تجارتی سلسلے میں شام تشریف لے گئے ہے۔ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آتا تو آئندہ آپ کیسے جا سکتے تھے؟ اور اپنی چھوٹی عمر میں تو آپ کو پہچان لیا گیا کہ آپ نبی ہونے والے ہیں بعد میں آپ کو کیوں نہ پہچانا جا سکا؟

اس تفصیل کی رو سے بحیرا کا قصہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ گو قدیم وجدید تمام سیرت نگار اس کو بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ (۲۷)

اس واقعے پر عصر حاضر کے دیگر سیرت نگاروں کو بھی شدید اشکالات ہیں، چناں چہ محمد الغزالی کی آرا دیکھیے، وہ کہتے ہیں:

یہ واقعہ خواہ صحیح ہو یا بے اصل، بہ ہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ نبی ﷺ کی آئندہ زندگی پر اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ نہ آں حضرت ﷺ اس کی بنیاد پر نبوت کی آس لگائے رہے اور نہ قافلہ والوں نے اس کا چرچا کیا۔ (۲۸)

محققین کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے۔ اس میں اس واقعے سے مشابہت ہے جسے اہل انجیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے فوراً بعد کچھ لوگ انہیں قتل کرنے کے لیے تلاش کر رہے تھے۔ اور عیسائیوں کے یہاں پایا جانے والا یہ واقعہ اس واقعے سے مشابہت رکھتا ہے جیسے بدھ مت کے پیروکار بیان کرتے ہیں کہ گوتم بدھ کی جب ولادت ہوئی تو دشمنوں نے انھیں قتل کرنے کے لیے تلاش کیا۔

علمائے سنت روایات کی تحقیق متن اور سند دونوں پہلوئوں سے کرتے ہیں۔ اگر ان سے پختہ علم اور ظن غالب حاصل نہ ہو تو ان کی پروا نہیں کرتے۔ پیغمبروں کی جانب بہت سی خرافات منسوب کر دی گئی ہیں۔ اگر انہیں فنِ حدیث کے مقررہ قواعد کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کا کھوٹ ظاہر ہوتا ہے اور ان کی بنا پر انہیں رد کرنا مناسب ہوتا ہے۔ (۲۹)

اس کے برعکس اس کتاب کے محقق علامہ ناصر والدین البانی جنہوں نے اس کی احادیث کی تخریج کی ہے، اس واقعے، اور اس کا روایات کو قبول کرتے ہیں، اور ان کی تصحیح فرماتے ہیں۔ چناں چہ علامہ البانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ صحیح ہے۔ اس کی روایت

امام ترمذیؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے"۔ جزری نے لکھا ہے کہ "اس کی سند صحیح ہے، البتہ اس میں ابو بکرؓ اور بلالؓ کا ذکر صحیح نہیں ہے"۔ اس کی روایت بزار نے بھی کی ہے۔ اس میں ہے کہ "آپ ﷺ کے چچا نے ایک آدمی کے ساتھ آپ کو واپس بھیج دیا"۔ (۳۰)

اس حدیث کو موضوع کہنا صحیح نہیں، اس کی روایت ترمذی نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ محض عیسائیوں کے واقعے سے مشابہت کی بنا پر اس کی صحت پر حرف نہیں آئے گا۔ اہل انجیل کے بہت سے بیانات قرآنی بیانات کے مشابہ ہیں مثلاً یہ کہ فوعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت انہیں قتل کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات انجیل اور قرآن دونوں میں مذکور ہے۔ کیا محض انجیل سے مشابہت کی بنا پر ہم قرآن کے اس بیان کو رد کر دیں گے؟ (۳۱)

اس بنا پر یہ مقام مشکلات سیرت میں سے ایک ہے، جس پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔

مواخات

مواخات اہم ترین واقعاتِ سیرت میں سے ہے، اس کا مفہوم ہے دو افراد میں رشتۂ اخوت قائم کرنا۔ بہت سی سیاسی، معاشرتی، معاشی، سماجی اور نفسیاتی وجوہ کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مابین مواخات قائم کی۔ یہ ایک اہم موقع تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر کا اہم نمونہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت بصیرت سے کام لیتے ہوئے بہت سے امکانی مسائل کا ادراک کیا اور ان کی پیش بندی کی اور منصوبہ بندی فرماتے ہوئے ایک نیا انتظامی اسلوب متعارف کرایا، مگر سر دست ہمیں مواخات کی سیاسی، سماجی اور معاشی اہمیت سے بحث نہیں۔ یہ واقعہ ایک حوالے سے مشکلات السیرہ کا بھی عنوان ہے۔ مواخات کی ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مابین رشتۂ اُخوت قائم کیا۔ اور یہ مواخات ہجرت کے پانچ ماہ بعد ۴۵ مہاجرین اور ۴۵ انصار کے مابین حضرت انسؓ کے مکان میں ہوئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا "یہ تمہارے بھائی ہیں" پھر مہاجرین و انصار میں سے ایک ایک کو بلاتے اور فرماتے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ (۳۲)

ایک قول کے مطابق مواخات ہجرت کے نو ماہ بعد ہوئی، اس کے علاوہ ایک سال بعد، تین ماہ بعد، سات ماہ اور آٹھ ماہ بعد کے اقوال بھی ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر کے موقع پر مواخات ہوئی اور ایک قول مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل کا بھی ہے۔ (۳۳)

اس مواخات کو عام طور پر سیرت نگار ایک بار اور ہجرت کے بعد بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ اقوال ذکر ہوئے، مگر ان ہی اقوال میں یہ قول بھی ملتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے لوگوں کے درمیان تو مواخات کرادی ہے، مجھے اس میں شریک نہیں کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ (۳۴) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شریک کرتے ہوئے ان کی مواخات اپنے ساتھ فرمالی۔

اسی طرح ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما میں مواخات فرمائی، جب کہ یہ دونوں مہاجرین صحابہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ روایت بھی مضبوط درجے کی

ہے۔ چناں چہ اسے حاکم اور ابن عبد البر نے مسندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ضیاء الدین مقدسی نے اسے طبرانی کبیر کے حوالے سے اپنی کتاب المختارہ میں نقل کیا ہے، اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ المختارہ کی روایات کی سند قوی ہے۔ (۳۵)

دوسری جانب ایک روایت میں ابوبکر و عمر، طلحہ اور زبیر، عبد الرحمٰن بن عوف اور عثمان غنی وغیرہ کے مابین مواخات کا بھی ذکر ہے۔ (۳۶)

یہ وہی روایت ہے جس کے آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین مواخات کا بیان ہے، یہ تمام مکی اور مہاجر صحابۂ کرام ہیں۔

اب اشکال یہ ہے کہ مدینے میں ہونے والی مواخات تو ایک انصاری اور ایک مہاجر کے مابین ہوئی تھی، یہاں دونوں مہاجرین کے مابین اس مواخات کا کیا مفہوم ہے؟ اسی طرح بعض دوسرے مکی صحابہ کے مابین بھی مواخات کا ذکر ملتا ہے، مگر یہ سوال متوسطین سیرت نگاروں کی تحاریر سے اس لیے پیدا ہوا کہ روایات کو جمع نہیں کیا جا سکا۔ چناں چہ بالکل ابتدائی ہی میں ابن حبیب بغدادی اور بلاذری نے اس حوالے سے واضح روایات نقل کر دی تھیں۔ ان کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ عمل مواخات دو بار ہوا ہے، پہلی بار مکہ مکرمہ میں اور دوسری بار بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں، جس کی تاریخیں بیان ہوئیں۔ اور حضرت علی کا واقعہ مکی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ چناں چہ ابنحبیب نے مکی عہد کی مواخات ذکر کرتے ہوئے باہم رشتہ اخوت میں منسلک ہونے والے صحابہ کی فہرست یوں ذکر کی ہے۔

حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام) کے درمیان

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے درمیان

حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے باہم

حضرت الزبیر بن العوام اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے درمیان

حضرت عبیدہ بن الحارث اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہما کے درمیان

حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے باہم

حضرت عبیدہ بن الجراح اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما کے درمیان

حضرت سعید بن زید اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کے درمیان۔ (۳۷)

اسی طرح ابن عبد البر نے واضح طور پر لکھا ہے کہ مواخات کا عمل دو بار ہوا ہے، پہلی بار صرف مہاجرین کے مابین، یہ مکے میں ہوا ہے، دوسری بار بین المہاجرین والانصار بعد از ہجرت۔ (۳۸)

مکی صحابۂ کرام کے مابین مواخات کا اصل محل مکی مواخات ہی ہے، جو دوسری روایات سے ثابت بھی ہو رہی ہے، نہ یہ کہ ان کی تاویل کی جائے، جو غیر منطقی بھی ہے۔ اس لیے ان روایات کو ابنِ حبیب بلاذری اور ابن عبد البر کی تصریحات کے مطابق تعدّدِ واقعہ پر محمول کرتے ہوئے مکی اور مدنی مواخات میں تقسیم کیا جائے گا۔

اسی طرح روایات کے جمع کی صورت اختیار کرکے اس مشکل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ اس بحث سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ قدیم کتب سیرت خصوصاً ابتدائی تین صدی کی کتب سیرت کو پیش نظر رکھنا زیادہ مفید ہوتا ہے کہ اس کے نتیجے میں بعد کی تحریروں سے پیدا ہونے والے ابہام جلد دور ہو جاتے ہیں اور قدیم مگر کسی بھی سبب سے غیر معروف رہ جانے والی روایات تک رسائی ممکن ہو جاتی ہے۔

ام مَعبَد کا واقعہ

واقعات سیرت میں سفر ہجرت کی اہمیت سے کسے کلام ہوگا، سفر ہجرت میں بہت سے واقعات پیش آئے، ان میں ایک اہم واقعہ قصہ ام معبد کے نام سے کتب سیرت میں محفوظ ہے، اور تواتر سے نقل ہوتا چلا آیا ہے، یہ واقعہ بھی مشکلات السیرہ میں شامل کیے جانے کے لائق ہے، پہلے یہ واقعہ دیکھیے۔

سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ سفر ہجرت کے دوران آپ ﷺ کا گزر مقامِ قدید میں واقع ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمے پر ہوا۔ یہ خاتون اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھ کر مسافروں کی مہمان نوازی اور خاطر داری کیا کرتی تھیں، اور انہیں کھانا، پانی دیا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِم معبد سے گوشت اور کھجور (اور ایک روایت کے مطابق دودھ وغیرہ کھانے پینے کی اشیا) کے بارے میں استفسار کیا تاکہ اپنی ضرورت کے لیے کچھ خریدا جاسکے۔ ام معبد نے جواب دیا کہ اگر کچھ موجود ہوتے تو میں از خود پیش کر دیتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس کا بھی انکار کیا، پھر آپ نے خیمے کے ایک گوشے میں ایک دبلی پتلی بکری کھڑی ہوئی دیکھی، تو پوچھا کہ کیا اس میں دودھ ہے؟ ام معبد نے کہا کہ یہ بہت کم زور ہے، اس لیے دودھ دینے کی حالت میں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو میں اسے دوھ جولوں؟ ام معبد نے کہا کہ اگر آپ دودھ سکتے ہیں تو ضرور دوہ لیجیے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر بکری پر ہاتھ پھیرا، پھر بسم اللہ پڑھ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ اور فرمایا اے اللہ ام معبد کی اس بکری میں برکت عطا فرما۔ اس کے ساتھ ہی تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ نے ام معبد سے دودھ کے لیے برتن طلب فرمایا، پھر آپ نے دودھ دوہا تو برتن دودھ سے بھر گیا یہ دودھ آپ نے ام معبد اور اپنے ساتھیوں کو پلایا پھر سب سے آخر میں آپ نے دودھ نوش فرمایا اور فرمایا کہ قوم کو پلانے والا آخر میں پیتا ہے، پھر دوسری مرتبہ دودھ دوھا اس بار بھی برتن دودھ سے بھر گیا۔ یہ دودھ ام معبد کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہوگئے۔ جب ام معبد کا شوہر ابو معبد جنگل سے بکریاں چرا کر واپس آیا تو وہ دودھ دیکھ کر حیران ہوگیا۔ اس نے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا تو ام معبد نے کہا کہ ایک بابرکت شخص یہاں آیا تھا یہ اسی کی برکت ہے۔ پھر ام معبد نے تمام قصہ اپنے شوہر سے بیان کر دیا، اس پر ابو معبد نے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی شخص ہوگا جس کی تلاش و جستجو میں قریش سرگرداں ہیں۔ میں ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ (۳۵)

جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ اِم معبد کے شوہر نے ان سے کہا کہ اس مبارک شخصیت کا حلیہ بیان کرو، پھر اِم معبد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کیا، انہوں نے کہا وہ خوب صورت و روشن چہرے اور متناسب ساخت کے حامل تھے، نہ پیٹ نکلا ہوا، نہ سر چھوٹا، خوب صورت و حسین آنکھیں کشادہ و سیاہ لمبے ابرو، آواز میں لطافت، گردن لمبی، آنکھوں کی پتلیاں بالکل کالی اور ڈھیلے نہایت سفید تھے، آنکھیں سرمگیں تھیں، بھویں لمبی اور باریک مگر ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں، بال

بالکل سیاہ ایسی شخصیت تھیں کہ خاموش رہیں تو پر وقار نظر آئیں اور گفت گو کریں تو دل موہ لیں، دور سے دیکھنے پر لوگوں میں سب سے زیادہ حسین و خوش نما نظر آئیں اور قریب سے ملاقات ہو تو سب سے زیادہ دل نشین محسوس ہوں، گفت گو شیریں اور واضح نہ کم سخن نہ بسیار گو، ان کی گفت گو پروئے ہوئے موتیوں کی مانند (مربوط و دل کش) میانہ قد جو آنکھوں کو نہ تو چھوٹے پن کی وجہ سے برا معلوم ہو نہ لمبے ہونے کی وجہ سے بد نما لگے، (گویا کہ) دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ ہے۔ جو خوش کن منظر پیش کرتی ہے، مرتبے کے لحاظ سے ان میں سب سے اعلیٰ۔ ان کے ساتھی ان کے گرد دائرہ باندھے ہوئے، جب وہ کچھ کہے تو سب سراپا گوش بن جائیں اور اگر حکم دے تو تعمیل میں ایک دوسرے پر سبقت پانے کی کوشش کریں، سب کا مخدوم اور سب کا مرجع، نہ ترش رو نہ ہی تند خو۔ (۴۰)

الفاظ کی ترتیب اور تھوڑے فرق سے، یہ روایت سیرت ابن کثیر، زرقانی اور عیون الاثر میں بھی ہے۔ (۴۱)

یہ قصہ کتب سیرت اور حدیث میں متعدد طرق اور بہت سے راویوں سے منقول ہے۔ ابن اسحاق نے اس کو بغیر سند کے نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن سعد میں موجود روایت مرسل ہے جو حر بن الصباح عن ام معبد کی سند سے ہے۔ (۴۲)

اہم بات یہ ہے کہ طرح ابو معبد کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہو چکا تھا۔ (۴۳)

طبرانی نے معجم الکبیر میں جو روایت نقل کی ہے، اسے ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لیا ہے اور پھر لکھا ہے وفی اسنادہ جماعۃ لم اعرفھم یعنی اس کی اسناد میں ایسے لوگوں کی جماعت ہے، جسے ہم نہیں جانتے۔

حاکم کی روایت کی ذہبی نے توثیق کی ہے مگر اس پر البانی نے کہا ہے فیما قالاہ نظر کم و بیش یہی صورت بزار، بیہقی وغیرہ کی روایت کی ہے۔ (۴۴)

اسی طرح اس واقعے کی اسناد میں بعض راوی مجہول ہیں اور بعض متہم بالکذب مثلاً محمد بن یحییٰ بن سلیمان القرشی، عبدالعزیز بن یحییٰ اور عبدالملک بن وہب المذحجی، سلیمان بن عمرو نخعی متہم بالکذب ہیں اور محرز بن مہدی، ہشام بن خنیس، عبدالرحمٰن بن عضبہ مجہول ہیں۔ (۴۵)

البتہ ابن کثیر اس واقعے کی اسانید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

انها مشهورة مرية من طرق يشد بعضها بعضاً (۴۶)

یہ واقعہ مشہور ہے۔ ایسے طرق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔

مذکورہ بحث کے علاوہ اس واقعے کے متعلق یہ باتیں بھی قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ حضرت ابو بکر کہتے ہیں کہ چوں کہ ہماری نگرانی ہو رہی تھی اور لوگ ہماری گھات میں تھے اس لیے ہم غار سے رات کے وقت باہر نکلے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہم اپنے راستے کے رہ نما کے ہم راہ علی الصبح غار سے نکل کر ساحل سمندر کے راستے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ (۴۷)

۲۔ سراقہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم بنی مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے اکر کہا کہ اے سراقہ میں نے ابھی چند اشخاص کو ساحل کے راستے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان

کے ساتھی ہیں۔ (۴۸)

ان دونوں روایتوں سے یہ بات تو بالکل یقینی ہے کہ ہجرت مدینہ کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے رابغ تک کا سفر عام راستہ چھوڑ کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ غیر معروف راستے سے کیا تھا جو عین قرین مصلحت اور حکمت ہے۔

۳۔ ان روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مشرکین اور ان کے جاسوس آپ کی تلاش میں دور دراز علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے۔

۴۔ مشرکین نے آپ کو اور حضرت ابو بکر کو زندہ گرفتار کرنے یا قتل کرنے پر ہر ایک کے لیے سو اونٹ کی دیت کا اعلان کر رکھا تھا۔

۵۔ آپ کا یہ سفر انتہائی غیر معمولی حالات میں اور انتہائی غیر محفوظ تھا۔

۶۔ قدید میں ام معبہ کا خیمہ عام راستے پر واقع تھا اور ساحل سے بہت ہٹا ہوا تھا۔ مسافر اپنی ضروریات کے لیے وہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ایسے میں نسبتاً محفوظ اور غیر معروف راستہ چھوڑ کر آپ کا ام معبد کے خیمے پر آنا اپنے آپ کو انتہائی خطرے سے دو چار کرنے اور حکمت و مصلحت اور حفاظت کے تقاضوں کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہوتا۔ آپ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

۷۔ نیز حضرت ابو بکر کی روایت کے مطابق آپ نے رات بھر اور اگلے روز دوپہر تک مسلسل سفر کر کے ایک چٹان کے سائے میں آرام فرمایا۔ غار سے روانگی کے بعد اگلے روز دوپہر تک تقریباً ۲۰، ۱۸ گھنٹے کے سفر میں اگر اوسط رفتار ۳ میل فی گھنٹہ ہو تو تقریباً ساٹھ میل سفر طے ہونا چاہیے۔

۸۔ ام معبد کے خیمے مکے سے تقریباً ۸۰ میل اور رابغ کے تقریباً ۳۴ میل کے فاصلے پر تھے۔

۹۔ جس جگہ دوسرے روز دوپہر کے وقت آپ نے چٹان کے نیچے ارام فرمایا تھا وہ ام معبد کے خیمے سے ۲۰، ۲۵ میل پہلے یا اس سے کچھ کم و بیش فاصلے پر ہونی چاہئے۔

۱۰۔ آپ کا سفر عام راستے سے ہٹ کر ساحل کے ساتھ تھا۔ ساحل چھوڑ کر ام معبد کے خیمے پر جانے اور واپس ساحل پر انے کا مطلب اپنے سفر میں خاطر خواہ اضافہ کرنا ہے جو انتہائی خطرے کا باعث ہوتا۔ حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کم سے کم وقت میں مختصر ترین راستے سے سفر کرتے۔

۱۱۔ یہ آپ کے سفر کا محض دوسرا دن تھا اور آپ نے ام معبد کے خیمے سے چند میل پہلے ہی چٹان کے نیچے آرام فرمایا اور دودھ نوش فرمایا، نیز آپ مکے سے زادراہ کا تھیلا لے کر غار ثور روانہ ہوئے تھے جو حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے آپ کے لیے تیار کیا تھا۔ غار ثور کے قیام کے دوران تینوں دن حضرت اسماء آپ کے لیے کھانا لاتی تھیں اور حضرت ابو بکر کے غلام عامر بن فہیرہ اپنی بکریوں کو لے کر غار پر آتے تھے اور آپ کو دودھ پیش کرتے تھے۔ اس لیے آپ کو ام معبد کے خیمے پر جا کر ان سے اشیائے خورد و نوش خریدنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ روایت اور در روایت کے ان پہلوؤں کی وجہ سے ام معبد کا واقعہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ (۴۹)

اختتامیہ

مشکلات السیرہ کی ضرورت و اہمیت اور مقاصد کے بیان کے بعد اس کے ابتدائی خدوخال پیش کرنے کے ساتھ کوشش کی گئی ہے کہ اس ضمن میں چند مثالیں بھی پیش کردی جائیں۔ یہ امثلہ محض اوپر بیان ہونے والے ضوابط کی تفہیم و تشریح کی غرض سے پیش کی گئی ہیں، ان سطور میں مکی عہد کے حوالے سے مشکلات السیرہ کا استقصا مطلوب نہیں تھا، وگرنہ ایسی کئی ایک مثالیں عہد مکی سے بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔

ان سطور سے مقصود یہ ہے کہ سیرت کے مطالعے کے روایتی انداز سے ہٹ کر نئے مسائل کو ایڈریس کرنے کے ساتھ ساتھ سیرت نگاری کے فنی پہلوئوں کی جانب بھی توجہ کی جائے، اس حوالے سے تشنہ پہلو بھی ہماری توجہ کے منتظر ہیں۔ نئے لکھنے والوں کو اس جانب توجہ کرنی چاہیے۔ چوں کہ ہمارا یہ موضوع عہد مکی تک محدود تھا، اس لیے بہ طور مثال پیش کیے جانے والے واقعات کو بھی عہد مکی تک ہی محدود رکھا گیا ہے۔ یہ اس موضوع پر اولین اور مبتدانہ کاوش ہے، امید ہے کہ اس موضوع کو پزیرائی ہوگی، اور اہل علم و تحقیق بھی اس جانب توجہ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سیرت طیبہ سے راہ نمائی کی ہمیں توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

۱۔ ابن حجر۔ شرح نخبۃ الفکر۔ مکتبۃ الغزالی، دمشق: ص: ۲۰

۲۔ سیوطی۔ تدریب الراوی۔ دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور: ص: ۹۱۱

۳۔ جرجانی۔ التعریفات۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ: ص: ۲۱۸۔ عز الدین عبد اللطیف۔ شرح المنار۔ مصر، دار سعادات ۱۳۱۵ھ: ج: ۱، ص: ۳۱۳

۴۔ حامد محمود، ڈاکٹر۔ القاموس القویم فی اصطلاحات الاصولیین۔ قادرہ، دار الحدیث ۱۹۹۲ء: ص: ۲۳۵

۵۔ اس روایت کے لیے دیکھیے: المستدرک۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم النیسابوری۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۹۹۰: ج: ۲، ص: ۶۷۳، رقم ۴۲۳۰/ ۲۴۰۔ زرقانی علی مواہب اللدنیہ۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی۔ دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۹۳ء: ج: ۱، ص: ۱۶۰۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ۔ دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء: ج: ۱، ص: ۱۸۷۔ عن ابن اسحاق۔ عیون الاثر۔ ابو الفتح محمد بن محمد بن سید الناس۔ مکتبہ دار التراث، مدینہ منورہ ۱۹۹۲ء: ج: ۱، ص: ۹۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد۔ دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۹ء: ج: ۸، ص: ۲۸۸، رقم ۱۳۹۴۱

۶۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری۔ ابن الحجر العسقلانی۔ قدیم کتب خانہ کراچی: ج: ۱۳، ص: ۵۸۴ باب ما جاء فی قولہ عز و جل و کلم اللہ موسیٰ تکلیما

۷۔ زرقانی: ج: ۱، ص: ۱۸۳

۸۔ ابو داؤد الطیالسی۔ المسند۔ بیروت: ص: ۲۱۵

۹۔ ابو نعیم۔ دلائل النبوۃ۔ بیروت: ج: ۱، ص: ۶۹

۱۰۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد ادریس کاندھلوی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو دلائل ابی نعیم

میں مذکور ہے اس کی سند میں دو راوی متکلم فیہ ہیں ایک یزید بن بانبوس ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یزید بن بانبوس مجہول ہے، لیکن دار قطنی فرماتے ہیں لا باس بہ اس میں کچھ حرج نہیں یعنی اچھا خاصا راوی ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب ج: ۱۱، ص: ۳۱۶، حافظ مزی تہذیب الکمال میں فرماتے ہیں کہ ذکرہ ابن حبان فی الثقات وروی لہ البخاری فی الادب وابو داؤد والترمذی فی الشمائل و النسائی اور تہذیب الکمال: ج: ۷، ص: ۲۲۱ دوسرا راوی داؤد بن المجر ہے جس کو بعض علما نے کذاب بتلایا ہے، لیکن یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے کذاب نہیں، ابو داؤد فرماتے ہیں ثقہ ہے لیکن مشابہ ضعیف کے ہے نسائی فرماتے ہیں ضعیف ہے تہذیب ص: ۱۹۹، ۷۰ ۳۔ بہ ہر حال اس حدیث کی سند لا باس بہ سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی خصوصاً جب کہ ابو داؤد طیالسی کی سند کو بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے تو اور قوت آجاتی ہے اسی وجہ سے حافظ ابن ملقن اور حافظ عسقلانی نے اس کو ثبت کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ حافظ ابن ملقن کے یہ الفاظ ہیں و ثبت شق الصدر ایضاً عند البعثۃ کما اخرجہ ابو نعیم فی الدلائل اور شرح بخاری ج: ۷، ص: ۳۸۷، اور عسقلانی کے الفاظ بھی اسی کے قریب بل کہ یہی ہیں۔ (نیز اس واقعے کا بہ وقت بعثت پیش آنا مسند بزار میں ابوذر غفاری سے مروی ہے۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ ابوذر کی یہ حدیث اس حدیث کے مغائر ہے جو ابوذر ہی سے دربارہ اسراء و معراج صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور بخاری کے راوی ہیں مگر جعفر بن عبد اللہ بن عثمان الکبیر جس کی ابو حاتم رازی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے اور عقیلی نے اس میں کلام کیا ہے۔ (کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا۔ سیرت مصطفیٰ: ج: ۱، ص: ۳۷۔۷۸)

۱۱۔ ابن حجر نے متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری: ج: ۷، ص: ۲۵۹

۱۲۔ شامی، محمد بن یوسف۔ سبل الہدیٰ والرشاد (سیرت شامی)۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳ء: ج: ۲، ص: ۶۰

۱۳۔ ابن حجر۔ فتح الباری: ج: ۷، ص: ۲۵۹

۱۴۔ ندوی، سید سلیمان۔ سیرۃ النبی، دار الاشاعت، کراچی، ج: ۳، ص: ۲۷۶

۱۵۔ ملاحظہ ہو حوالہ سابق، مولانا کاندھلوی

۱۶۔ قاضی عیاض۔ الشفا۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء: ج: ۱، ص: ۱۱۶

۱۷۔ صدیقی، محمد یاسین مظہر۔ خطبات سیرت۔ ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی آسلام آباد، ۲۰۱۷ء: حاشیہ ص: ۱۶۵

۱۸۔ سیرت النبی: ج: ۳، ص: ۲۷۶

۱۹۔ ابن ہشام: ج: ۱، ص: ۲۰۵

۲۰۔ ترمذی۔ الجامع السنن۔ دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء: ج: ۵، ص: ۳۵۷، رقم ۳۶۴۰

۲۱۔ حاشیہ زاد المعاد۔ ابن قیم جوزیہ۔ مکتبہ المنار الاسلامیہ، کویت، ۱۹۸۷ء: ج: ۱، ص: ۷۶

۲۲۔ ملاحظہ کیجیے: ابن ابی شبہ۔ کتاب مغازی۔ دار اشبیلیا، بیروت ۱۹۹۹ء: ص: ۹۱، رقم ۷۔ ترمذی۔ زاد المعاد: ج: ۱، ص: ۷۶۔ ابن حبان۔ السیرۃ النبویہ واخبار الخلفا۔ موسسۃ الثقافیہ، بیروت ۱۹۹۷ء: ص: ۵۸۔ المستدرک: ج: ۲، ص: ۶۷۳، رقم ۴۴۲۹/ ۲۳۹۔ عام طور پر اس روایت پر یہی کہا جاتا ہے کہ یہ روایت سنداً درست ہے، البتہ ابو بکر اور بلال رضی اللہ عنہما کا اضافہ ثابت نہیں۔ دیکھیے: ابن ابی شیبہ: ص: ۹۷، رقم ۷

۲۳۔ سیرت النبی: ج: ۱، ص: ۱۱۳

۲۴۔ القصص: ۸۶

۲۵۔ الشوریٰ: ۵۲

۲۶۔ الحج: ۱۸

۲۷۔ فضل الرحمٰن، سید۔ ہادیٔ اعظم۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۴ء: ج: ۱، ص: ۲۲۴۔ اعتراضات کی یہ تمام تفصیل فاضل محقق کی کتاب ہادی اعظم سے ماخوذ ہے، جس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کتاب میں بحیرہ کے واقعے کے حوالے سے سنداً اور متناً نقد کے تمام

پہلو جس تفصیل کے ساتھ یک جا کیے گئے ہیں، اس تفصیل سے کہیں اور موجود نہیں۔

۲۸۔ محمد الغزالی۔ فقہ السیرہ۔ قاہرہ، دار الکتب الحدیثہ، ۱۹۸۸ء: ص: ۶۸

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ ایضاً: حاشیہ: ص: ۶۸

۳۱۔ ایضاً: حاشیہ: ص: ۶۹

۳۲۔ سہیلی۔ الروض الانف۔ دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء: ج: ۲، ص: ۲۵۲۔ زرقانی: ج: ۱، ص: ۳۷۳

۳۳۔ فتح الباری: ج: ۷، ص: ۳۴۵۔ زرقانی: ج: ۱، ص: ۳۷۳۔ شامی: ج: ۳، ص: ۳۶۷

۳۴۔ سمہودی۔ وفاء الوفاء: ج: ۱، ص: ۲۶۶

۳۵۔ ابن حجر: ص: ۳۳۹

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ۔ انساب الاشراف، تحقیق محمد حمید اللہ۔ دار المعارف، مصر ۱۹۵۹ء: ج: ۱، ص: ۲۷۰۔ ابن حبیب۔ المحبر۔ دار المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۴۲: ص: ۷۰، ۷۱

۳۸۔ فتح الباری: ج: ۷، ص: ۳۳۸

۳۹۔ ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ۔ داراحیاء، التراث العربی: ج: ۲، ص: ۲۶۰، ۲۶۱۔ حلبی۔ انسان العیون (سیرت حلبیہ)۔ داراحیاء التراث العربی، بیروت: ج: ۲، ص: ۲۲۴، ۲۲۵۔ زاد المعاد: ج: ۳، ص: ۵۶، ۵۷

۴۰۔ زاد المعاد: ج: ۳، ص: ۵۶۔ ۵۷

۴۱۔ سیرت ابن کثیر: ج: ۲، ص: ۲۶۱۔ عیون الاثر: ج: ۱، ص: ۳۰۴، ۳۰۵۔ زرقانی: ج: ۱، ص: ۳۴۱

۴۲۔ ابن حجر۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ مکتبہ تجاریہ الکبریٰ، مصر، ۱۹۳۹ء: ج: ۲، ص: ۲۲۱

۴۳۔ الاصابہ: ج: ۱۲، ص: ۲۱

۴۴۔ دیکھیے: السیرۃ النبویہ۔ محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی المدنی۔ دار الکتب العلمیہ۔ بیروت، لبنان: ص: ۳۸۸

۴۵۔ تفصیل کے لئے: عمری، اکرم ضیاء، دکتور۔ السیرۃ النبویہ الصحیحہ: ج: ۱، ص: ۲۱۳

۴۶۔ ابن اکثیر۔ البدایۃ والنہایۃ۔ مطبعہ سعادہ، مصرف، طبع اولی، ۱۹۳۲ء: ج: ۳، ص: ۲۰۰

۴۷۔ بخاری۔ الصحیح۔ دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۵ء بیروت، لبنان: ج: ۲، ص: ۵۱۶، رقم ۳۹۰۵، ص: ۵۲۳، رقم ۳۹۱۷

۴۸۔ بخاری: ج: ۲، ص: ۵۱۸، رقم ۳۹۰۶

۴۹۔ ہادیٔ اعظم: ج: ۱، ص: ۴۰۵۔ یہ واقعہ بھی جناب سید فضل الرحمٰن کی کتاب سیرت ہادیٔ اعظم سے لیا گیا ہے، کیوں کہ ان کے ہاں یہ واقعہ اور اس پر نقد معاصر سیرت لٹریچر میں زیادہ مفصل صورت میں موجود ہے۔